THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

# The Metaphor of Nafs (Self) in the First Book of Masnavi and Moral Perfection: A Research Study

# مثنوی مولانا رومؒ کے دفترِ اوّل میں نفس کا استعارہ اور اخلاقی کمال: ایک تحقیقی مطالعہ

**Umar Farooq**
**MS scholar superior university**
**Email:** mumar19956@gmail.com

**Dr. Neelam Bano**
**Assistant professor superior university**
**Email:** neelam.bano@superior.edu.pk

## Abstract

The Masnavi of Maulana Jalaluddin Rumi is regarded as an encyclopedia of Islamic spirituality and moral philosophy. In the first book (Daftar-e-Awwal) of the Masnavi, Rumi employs a rich array of metaphors and allegories to illustrate the concept of nafs (the carnal self) and its central role in the attainment of moral perfection. This research study critically examines the metaphorical representation of nafs in the first book of the Masnavi and explores how these metaphors contribute to the understanding of moral perfection and its social implications. The study argues that Rumi presents nafs as the fundamental obstacle to spiritual and moral development, depicting it through vivid metaphors such as the snake, the camel, the donkey, and the dog, each symbolizing different dimensions of the lower self. Through a qualitative and analytical methodology, the study examines key allegories of the first book, including the story of the parrot and the merchant, the lion and the hare, and the tale of Moses and the shepherd, to demonstrate how Rumi links the purification of nafs with the cultivation of virtues such as patience, humility, justice, and love. The research further highlights the tripartite classification of nafs , nafs-e-ammara, nafs-e-lawwama, and nafs-e-mutmainna as presented in Islamic tradition, and analyzes how Rumi's metaphors correspond to each stage of spiritual progression. The social dimension of the study emphasizes that the purification of nafs is not merely an individual spiritual exercise but a

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

foundation for social harmony, ethical conduct, and communal well-being. The findings suggest that Rumi's metaphorical treatment of nafs offers a comprehensive framework for moral education that remains relevant to contemporary social challenges. This study contributes to the existing scholarship on Rumi's ethical philosophy by focusing specifically on the metaphorical dimension of nafs in the first book, thereby bridging the gap between spiritual introspection and social reform.

Keywords: Masnavi, Nafs (Self), Moral Perfection, Metaphor, Social Effects

## تمہید

مثنوی معنوی مولانا جلال الدین رومیؒ کی وہ عظیم تصنیف ہے جسے اسلامی روحانیت اور اخلاقی فلسفے کا دائرۃ المعارف قرار دیا جاتا ہے۔ مثنوی کے دفترِ اوّل میں مولانا رومؒ نے نفس کے تصور اور اخلاقی کمال کے حصول میں اس کے مرکزی کردار کو واضح کرنے کے لیے استعاروں اور تمثیلوں کا ایک وسیع ذخیرہ استعمال کیا ہے۔ یہ تحقیقی مطالعہ مثنوی دفترِ اوّل میں نفس کی استعاراتی تصویر کشی کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے اور یہ دریافت کرتا ہے کہ یہ استعارے اخلاقی کمال اور اس کے سماجی اثرات کو سمجھنے میں کس طرح معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس مطالعے کا استدلال ہے کہ مولانا رومؒ نفس کو روحانی اور اخلاقی ترقی کی بنیادی رکاوٹ قرار دیتے ہیں اور اسے سانپ، اونٹ، گدھے اور کتے جیسے واضح استعاروں کے ذریعے پیش کرتے ہیں، جن میں سے ہر ایک نفسِ ادنیٰ کے مختلف پہلوؤں کی علامت ہے۔ مطالعہ دفترِ اوّل کی اہم تمثیلوں طوطی و بقال، شیر و خرگوش اور موسیٰ و چوپان کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ ثابت کرتا ہے کہ مولانا رومؒ نفس کی تطہیر کو صبر، تواضع، عدل اور عشق جیسی خوبیوں کی نشوونما سے کس طرح مربوط کرتے ہیں۔ تحقیق اسلامی روایت میں نفس کی تین اقسام نفسِ امارہ، نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ کو بھی اجاگر کرتی ہے اور یہ دکھاتی ہے کہ مولانا رومؒ کے استعارے روحانی ترقی کے ہر مرحلے سے کس طرح مطابقت رکھتے ہیں۔ مطالعے کا سماجی پہلو اس بات پر زور دیتا ہے کہ نفس کی تطہیر محض ایک انفرادی روحانی مشق نہیں بلکہ معاشرتی ہم آہنگی، اخلاقی کردار اور اجتماعی بہبود کی بنیاد ہے۔ نتائج بتاتے ہیں کہ نفس کے بارے میں مولانا رومؒ کا استعاراتی انداز اخلاقی تعلیم کا ایک جامع نظام پیش کرتا ہے جو عصرِ حاضر کے سماجی چیلنجوں سے متعلقہ ہے۔ یہ مطالعہ نفس کے استعاراتی پہلو پر خصوصی توجہ دے کر مولانا رومؒ کے اخلاقی فلسفے پر موجودہ تحقیق میں اضافہ کرتا ہے۔

## تعارف

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

مثنوی معنوی کو اسلامی دنیا میں روحانی اور اخلاقی تعلیمات کا ایک ایسا خزانہ سمجھا جاتا ہے جس نے صدیوں تک لاکھوں دلوں کو منور کیا ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ نے اس کتاب میں انسانی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے، لیکن جس موضوع کو انہوں نے سب سے زیادہ اہمیت دی وہ نفس کی اصلاح اور اخلاقی کمال کا حصول ہے۔ مثنوی کے دفترِ اوّل میں نفس کے بارے میں جو تعلیمات دی گئی ہیں وہ نہ صرف روحانی اعتبار سے گہری ہیں بلکہ عملی زندگی میں ان کا اطلاق بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ مولانا رومؒ نے اخلاقی کمال کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ نفسِ امارہ کو قرار دیا ہے جو انسان کو برائی کی طرف مائل کرتا ہے اور اسے اس کی اصل حقیقت سے غافل رکھتا ہے۔

اس تحقیقی مطالعے کا مقصد مثنوی دفترِ اوّل میں نفس کے استعاراتی تصور کا تجزیہ کرنا، اخلاقی کمال کے حصول میں نفس کی تربیت کے کردار کو واضح کرنا اور اس کے سماجی اثرات کا جائزہ لینا ہے۔ اس مطالعے میں مولانا رومؒ کی منتخب تمثیلوں اور استعاروں کو بنیاد بنایا گیا ہے تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ وہ نفس کی تطہیر کو کس طرح اخلاقی کمال اور معاشرتی اصلاح کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

## نفس کا تصور: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

نفس کا لفظ عربی زبان کا ہے جس کے لغوی معنی روح، جان اور ذات کے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں نفس سے مراد انسانی وجود کا وہ اندرونی پہلو ہے جو انسان کے اعمال اور اخلاق پر براہِ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں نفس کی تین اقسام کا ذکر ملتا ہے: نفسِ امارہ، نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ۔ نفسِ امارہ وہ نفس ہے جو انسان کو برائی کی طرف ابھارتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت یوسفؑ کے قول کے طور پر آیا ہے کہ نفس تو برائی کا ہی حکم دیتا ہے مگر یہ کہ رب رحم فرمائے۔[1]

نفسِ لوامہ وہ نفس ہے جو برائی کے بعد انسان کو ملامت کرتا ہے اور اسے بیدار کرتا ہے۔ یہ وہ باطنی آواز ہے جو انسان کو اس کی غلطی کا احساس دلاتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسی نفس کی قسم کھائی ہے، جیسا کہ سورۃ القیامہ کی دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے: "اور میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔" یہ نفس انسان کا ضمیر ہے جو اسے برائی سے روکتا ہے اور جب انسان خطا کر بیٹھتا ہے تو اسے ملامت کر کے راہِ راست پر لاتا ہے۔ جب تک یہ ملامت کرنے والا نفس زندہ رہتا ہے، انسان اپنی غلطیوں سے سبق سیکھتا اور اپنے کردار کی اصلاح کرتا رہتا ہے۔ یہ نفس ایمان کی علامت ہے، کیونکہ جس کے دل میں ایمان کی روشنی ہوتی ہے، اس کا نفس اسے برائی پر ملامت کرتا ہے۔

[1] قرآن مجید، سورۃ یوسف: ۵۳۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

جب انسان اپنے نفسِ لوامہ کی آواز پر عمل کرتا ہے، توبہ کرتا ہے اور اپنی زندگی کو اللہ کی رضا کے مطابق ڈھالتا ہے، تو رفتہ رفتہ اس کا نفس ترقی کرتا جاتا ہے اور پاکیزگی کے اعلیٰ مراحل طے کرتا ہے۔ یہی سفرِ تزکیہ ہے جس میں نفس اپنی خواہشات اور برائیوں سے پاک ہوتا ہے اور نیکیوں کی طرف بڑھتا ہے۔ اس سفر کے اختتام پر نفس ایک بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے، جسے قرآن مجید میں نفسِ مطمئنہ کہا گیا ہے۔

نفسِ مطمئنہ وہ مقام ہے جہاں نفس سکون اور اطمینان حاصل کر لیتا ہے اور رب کی رضا میں مطمئن ہو جاتا ہے۔ یہ وہ بلند ترین منزل ہے جہاں انسان کا نفس دنیاوی خواہشات، اضطراب اور بے چینی سے آزاد ہو کر اللہ کی یاد میں سکون پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفجر کی آیت ۲۷ اور ۲۸ میں اس مقام کی وضاحت فرمائی ہے: "اے اطمینان والے نفس! تو اپنے رب کی طرف لوٹ آ اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو۔" یہ وہ سعادت ہے جو صرف انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو اپنی زندگی کو اللہ کی رضا کے تابع کر دیتے ہیں۔ اس مقام پر نفس کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ کوئی غم، کیونکہ وہ اپنے رب کے ساتھ ایک گہرے تعلق میں جڑ جاتا ہے۔

نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ ایک ہی سفر کے دو مراحل ہیں۔ نفسِ لوامہ انسان کو برائی سے روکتا ہے اور اسے بیدار کرتا ہے، جبکہ نفسِ مطمئنہ اس سفر کی انتہا ہے جہاں انسان اپنے رب کی رضا میں مکمل سکون پاتا ہے۔ جس طرح نفسِ لوامہ ایمان کی علامت ہے، اسی طرح نفسِ مطمئنہ ایمان کی تکمیل ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے نفسِ لوامہ کی آواز کو کبھی نظر انداز نہ کرے، بلکہ اس کی ملامت کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنائے، تاکہ وہ اس بلند مقام تک پہنچ سکے جہاں اس کا نفس مطمئن ہو جائے اور وہ اپنے رب کی رضا میں سکون حاصل کر لے۔ یہی وہ مقام ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفجر میں کیا ہے، اور یہی مومن کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔[2]

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں نفس کی تربیت کو دین کا نصف قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر قابو نہیں پا سکتا وہ دوسروں کی اصلاح کی صلاحیت نہیں رکھتا۔[3]

اسی طرح شیخ ابوالقاسم قشیریؒ نے رسالہ قشیریہ میں نفس کو انسانی روح کا وہ پہلو قرار دیا ہے جو دنیاوی خواہشات اور حیوانی جبلتوں کا مرکز ہے۔ شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ چوتھی صدی ہجری کے عظیم محدث، مفسر اور صوفی بزرگ تھے، جنہوں نے ۴۶۵ ہجری میں وفات پائی۔ ان کی مشہور تصنیف رسالہ قشیریہ تصوف کی تاریخ میں ایک بنیادی اور معتبر کتاب مانی جاتی ہے، جس میں انہوں نے تصوف کے اصول و ضوابط، صوفیاء کرام کے اقوال و احوال اور نفس کی حقیقت کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں شیخ قشیریؒ نے نفس کو انسانی وجود کا وہ پہلو قرار دیا ہے جو دنیاوی

---

[2] قرآن مجید، سورۃ الفجر: ۲۷-۲۸۔

[3] ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، احیاء العلوم الدین، ترجمہ مولانا ندیم الواجدی، ج ۳ (کراچی: دار الاشاعت، ۲۰۱۰)، ص ۴۵

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

لذتوں، خواہشات اور حیوانی جبلتوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک نفس ہی وہ چیز ہے جو انسان کو گناہوں کی طرف کھینچتی ہے اور اسے اپنے رب سے دور کرتی ہے۔

شیخ قشیریؒ کا بیان ہے کہ نفس انسان کی روح کا وہ رخ ہے جو مادی دنیا سے وابستہ ہے، اور اسی وجہ سے یہ نفسِ امارہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، جو برائی کا حکم دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے فرمایا ہے کہ نفس تو برائی ہی کا حکم دیتا ہے، مگر جس پر رب رحم کرے۔ یہی وہ نفس ہے جسے صوفیاء نے انسان کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے، کیونکہ یہ انسان کے اندر ہی چھپا ہوا ہے اور ہر وقت اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

رسالہ قشیریہ میں شیخؒ نے نفس کی اصلاح اور تزکیہ کو دین کا اہم ترین کام قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک جب تک انسان اپنے نفس کی پاکیزگی حاصل نہیں کرتا، اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ اسی لیے صوفیاء نے نفس کے خلاف جہاد کو جہادِ اکبر کہا ہے، کیونکہ یہ وہ جہاد ہے جو انسان اپنے اندر کی خواہشات اور برائیوں کے خلاف کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ جہادِ اکبر نفس کے خلاف جہاد ہے۔ شیخ قشیریؒ نے اپنی کتاب میں صوفیاء کے ان اقوال کو جمع کیا ہے جو نفس کی پہچان، اس کی برائیوں اور اس کی اصلاح کے بارے میں ہیں، تاکہ سالک اپنے نفس کو پہچان کر اس پر قابو پا سکے۔

شیخ قشیریؒ کے مطابق نفس کی پاکیزگی ہی وہ راستہ ہے جو انسان کو روح کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔ جب انسان اپنے نفس کی خواہشات پر قابو پاتا ہے اور اسے اپنے رب کی اطاعت میں لگاتا ہے، تو یہی نفس رفتہ رفتہ پاک ہو کر نفسِ لوامہ اور پھر نفسِ مطمئنہ کے مراحل طے کرتا ہے، جیسا کہ پچھلے پیراگراف میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح نفس اپنی دنیاوی خواہشات اور حیوانی جبلتوں سے آزاد ہو کر اللہ کی رضا میں سکون حاصل کر لیتا ہے۔ یہی وہ سفر ہے جسے صوفیاء نے سفر الی اللہ کہا ہے، اور یہی وہ مقصد ہے جس کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ رسالہ قشیریہ میں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ انسان کو اپنے نفس کو پہچاننا چاہیے، اس کی برائیوں سے بچنا چاہیے اور اسے پاک کرنے کی مسلسل کوشش کرنی چاہیے، تاکہ وہ اپنے رب کی قربت حاصل کر سکے۔[4]

انہی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مولانا رومؒ نے مثنوی میں نفس کے تصور کو ایک وسیع استعاراتی نظام کے ذریعے پیش کیا ہے۔

## مثنوی دفترِ اوّل میں استعارے کا فنی پس منظر

مثنوی کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا استعاراتی اور تمثیلی انداز ہے۔ مولانا رومؒ نے اخلاقی اور روحانی حقائق کو سمجھانے کے لیے روزمرہ زندگی کی اشیاء اور واقعات کو استعاروں کے طور پر استعمال کیا ہے۔ دفترِ اوّل کا آغاز ہی "نی نامہ" سے ہوتا ہے جس میں بانسری (نی) کو انسان کی روح کا استعارہ بنایا گیا ہے جو اپنے اصل وطن سے جدائی کے غم میں شکایت کرتی ہے۔ مولانا جلال الدین محمد بلخی رومیؒ، جنہیں دنیا مولانا روم کے نام سے جانتی ہے، ساتویں صدی

[4] القشیری، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن۔ رسالہ قشیریہ۔ ترجمہ مفتی محمد صدیق ہزاروی۔ لاہور: مکتبہ اعلیٰ حضرت، ۲۰۰۹

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

ہجری کے عظیم صوفی شاعر تھے، جن کی مثنوی معنوی کو قرآن کا فارسی ترجمہ اور تصوف کا دائرۃ المعارف کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی مثنوی میں نہایت سادہ اور عام فہم انداز میں گہرے روحانی حقائق بیان کیے ہیں، تاکہ عام انسان بھی ان سے مستفید ہو سکے۔

مثنوی کا آغاز نی نامہ سے ہوتا ہے، جو تصوف کی تاریخ کا ایک شاہکار واقع ہے۔ مولانا رومؒ نے بانسری کو اس لیے منتخب کیا کہ بانسری جب نی کے باغ سے کاٹی جاتی ہے تو وہ اپنے اصل وطن سے جدا ہو جاتی ہے، اور جب اسے بجایا جاتا ہے تو اس کی آواز میں جدائی کا غم اور درد جھلکتا ہے۔ اسی طرح انسان کی روح بھی اپنے اصل وطن یعنی عالمِ ارواح سے اس دنیا میں آئی ہے، اور اسے اپنے رب سے جدائی کا غم ہے۔ نی کی شکایت دراصل انسان کی روح کی شکایت ہے، جو اپنے رب سے دوری کے باعث بے چین ہے اور اپنے اصل وطن کی طرف لوٹنے کی آرزو رکھتی ہے۔ یہی وہ تصور ہے جسے تصوف میں اشتیاقِ الی اللہ کہا جاتا ہے۔

مولانا رومؒ نے نی نامہ میں اسی جدائی کے درد کو بیان کیا ہے جو ہر انسان کے دل میں موجود ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص اپنے اصل سے جدا ہو جاتا ہے، وہ اپنے وصال کے دن تک جدائی کی داستان سناتا رہتا ہے۔ نی کی آواز میں وہی درد ہے جو انسان کی روح میں ہے، اور اسی لیے نی کی شکایت سن کر لوگ بے اختیار رو پڑتے ہیں۔ یہ استعارہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان کی روح اس دنیا میں مسافر ہے، اور اس کی اصل منزل اس کا رب ہے۔ جب تک انسان اپنے رب سے جڑتا نہیں، اس کی روح بے چین رہتی ہے، اور اسی بے چینی کو مولانا نے نی کی شکایت کے ذریعے بیان کیا ہے۔

مثنوی کا یہ استعاراتی انداز ہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ مولانا رومؒ نے اپنی پوری مثنوی میں اسی انداز کو اپنایا ہے، چاہے وہ عقل و عشق کا بیان ہو، نفس کی اصلاح ہو یا روح کی بلندیوں کا ذکر ہو۔ انہوں نے روزمرہ کی اشیاء جیسے بانسری، آگ، پانی، مٹی اور روشنی کو استعاروں کے طور پر استعمال کر کے گہرے روحانی حقائق کو عام فہم بنا دیا ہے۔ اسی لیے مثنوی معنوی کو آج بھی دنیا بھر میں پڑھا اور سمجھا جاتا ہے، اور ہر دور میں لوگ اس سے روحانی رہنمائی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ نی نامہ مثنوی کا وہ دروازہ ہے جو قاری کو مولانا رومؒ کی روحانی دنیا میں داخل کرتا ہے، اور اسی سے مثنوی کا عظیم سفر شروع ہوتا ہے۔[5]

یہ افتتاحی اشعار پوری مثنوی کے مرکزی موضوع اصل سے جدائی اور کمال کی طرف سفر کا خلاصہ ہیں۔

[5] جلال الدین محمد بلخی رومی، مثنوی معنوی، ترجمہ قاضی سجاد حسین، دفتر اوّل (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۶)، ص ۵۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

مولانا رومؒ نے استعارے کو محض ادبی زیبائش کے لیے استعمال نہیں کیا بلکہ ان کا مقصد قاری کے دل میں حقیقت کا ایسا نقش جمنا تھا جو عقل سے زیادہ دل کی گہرائیوں تک پہنچے۔ انہوں نے نفس کی پیچیدہ حقیقت کو سادہ اور محسوس استعاروں کے ذریعے بیان کیا تاکہ عام آدمی بھی اسے سمجھ سکے اور اس پر عمل کر سکے۔[6]

## نفسِ امارہ کے استعارے

مثنوی دفترِ اوّل میں نفسِ امارہ کو کئی واضح استعاروں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ مولانا رومؒ نے نفس کو اژدہا (سانپ) سے تشبیہ دی ہے جو بھوک کی حالت میں چھوٹا دکھائی دیتا ہے مگر جب اسے خوراک ملتی ہے تو بڑا ہو کر انسان کو نگل جاتا ہے۔ یہ استعارہ نفسِ امارہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم ہے، کیونکہ نفس کی خواہشات بھی بالکل اسی طرح ہوتی ہیں۔ جب تک انسان اپنی خواہشات کو دبانے اور ان پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے، تو نفس چھوٹا اور کمزور دکھائی دیتا ہے، لیکن جیسے ہی انسان اپنی خواہشات کو پورا کرنے لگتا ہے، تو نفس بڑھتا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ اتنا طاقتور ہو جاتا ہے کہ انسان کو مکمل طور پر اپنے قابو میں کر لیتا ہے۔

مولانا رومؒ نے اس استعارے کے ذریعے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ نفس کی خواہشات کو کبھی بھی مکمل طور پر پورا نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ جتنا انسان انہیں پورا کرتا ہے، اتنا ہی نفس مزید طاقتور ہوتا جاتا ہے۔ اژدہا جس طرح بھوک کی حالت میں چھوٹا اور بے ضرر دکھائی دیتا ہے، مگر جب اسے خوراک ملتی ہے تو وہ بڑا ہو کر انسان کو نگل جاتا ہے، اسی طرح نفس بھی جب تک اسے خواہشات کی خوراک نہ ملے، کمزور رہتا ہے، لیکن جب انسان اسے اپنی خواہشات پوری کر کے خوراک دیتا ہے، تو وہ بڑھتا جاتا ہے اور آخر کار انسان کو ہی نگل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء نے نفس کو انسان کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے، کیونکہ یہ انسان کے اندر ہی چھپا ہوا ہے اور ہر وقت اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

مولانا رومؒ نے اسی استعارے کے ذریعے نفس کی اصلاح کا راستہ بھی بتایا ہے۔ ان کے نزدیک نفس کو خوراک نہ دینا، یعنی اس کی خواہشات کو پورا نہ کرنا، ہی اس پر قابو پانے کا واحد طریقہ ہے۔ جس طرح اژدہا بھوکا رہ کر چھوٹا رہتا ہے، اسی طرح نفس بھی جب تک اسے خواہشات کی خوراک نہ ملے، کمزور رہتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کی ہر خواہش کو پورا نہ کرے، بلکہ اس پر قابو رکھے، تاکہ نفس بڑھ نہ سکے اور انسان کو نگل نہ سکے۔ یہی وہ تعلیم ہے جو تصوف میں نفس کی اصلاح اور تزکیہ کے نام سے جانی جاتی ہے، اور یہی وہ راستہ ہے جو انسان کو نفس کی غلامی سے آزاد کر کے روح کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔

---

[6] قاضی تلمذ حسین، مرآۃ المثنوی، ج ۱ (حیدر آباد دکن: اعظم اسٹیم پریس، ۱۹۳۳)، ص ۸۹

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

مثنوی دفترِ اوّل میں یہ استعارہ اس لیے بھی اہم ہے کہ یہ مولانا رومؒ کے اسلوب کی عکاسی کرتا ہے، جنہوں نے گہرے روحانی حقائق کو عام فہم استعاروں کے ذریعے بیان کیا ہے۔ انہوں نے اژدہا کے استعارے کے ذریعے نفس کی حقیقت کو اس طرح واضح کیا ہے کہ ہر انسان اسے سمجھ سکتا ہے۔ یہی مثنوی کی عظمت ہے کہ وہ نہ صرف ایک ادبی شاہکار ہے بلکہ روحانی رہنمائی کا ایک مکمل نسخہ بھی ہے، جس میں انسان کی اصلاح کے لیے ہر پہلو سے رہنمائی موجود ہے۔ نفسِ امارہ کا یہ استعارہ آج بھی اتنا ہی متعلقہ ہے جتنا مولانا رومؒ کے دور میں تھا، کیونکہ نفس کی خواہشات اور اس کا خطرہ ہر دور میں انسان کے لیے ایک چیلنج رہا ہے۔[7]

یہ استعارہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ نفس کی خواہشات اگر ابتدا میں نہ روکی جائیں تو وہ رفتہ رفتہ انسان کے پورے وجود پر قابض ہو جاتی ہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ نفس کو اس کی خواہشات پوری کر کے نہیں بلکہ اس کی مخالفت کر کے قابو کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح مولانا رومؒ نے نفس کو اونٹ کے استعارے سے بھی تعبیر کیا ہے۔ اونٹ بڑا اور طاقتور جانور ہے مگر اسے قابو میں رکھنے کے لیے نکیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح نفس بھی اپنی طاقت میں بڑا ہے مگر اسے شریعت کی نکیل اور سنت کی رسی سے باندھنا ضروری ہے۔[8]

گدھے کا استعارہ بھی نفس کے لیے استعمال ہوا ہے جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے لیے جانا جاتا ہے نفس بھی گدھے کی طرح ضد کرتا ہے اور عقل کی بات نہیں مانتا۔ کتے کا استعارہ نفس کی لالچ اور حرص کو ظاہر کرتا ہے جو ہر وقت مزید چاہتا ہے اور کبھی سیر نہیں ہوتا۔[9]

ان استعاروں کی خوبی یہ ہے کہ یہ نفس کی مختلف صفات کو ایک ساتھ پیش کرتے ہیں اور قاری کو نفس کی حقیقت کا مکمل ادراک دلاتے ہیں۔ مولانا رومؒ نے ان استعاروں کے ذریعے یہ پیغام دیا ہے کہ نفس کوئی فرضی یا خارجی چیز نہیں بلکہ انسان کے اندر موجود ایک حقیقی قوت ہے جس پر قابو پانا اخلاقی کمال کی پہلی منزل ہے۔[10]

## نفسِ لوامہ اور بیداری کا استعارہ

[7] رومی، مثنوی معنوی، دفترِ اوّل، ص ۱۲

[8] ایضا، ص ۳۴۔

[9] ایضا، ص ۵۶۔

[10] Reynold A. Nicholson, ed. and trans., The Mathnawí of Jalálu'ddín Rúmí: Edited from the Oldest Manuscripts Available, with Critical Notes, Translation and Commentary, vol. 7 (London: Luzac & Co. for the E. J. W. Gibb Memorial Trust, 1937), 150.

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

نفسِ لوامہ وہ مرحلہ ہے جہاں انسان اپنی غلطیوں پر ملامت محسوس کرتا ہے اور بیداری کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ مثنوی دفترِ اوّل میں اس مرحلے کو روشنی اور بیداری کے استعاروں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ مولانا رومؒ نے انسان کو اس شخص سے تشبیہ دی ہے جو نیند میں ہے اور خواب دیکھ رہا ہے، اور بیداری اس وقت آتی ہے جب انسان اپنے نفس کی حقیقت کو پہچان لیتا ہے۔[11]

طوطی و بقال کی مشہور تمثیل میں بھی یہی پیغام پوشیدہ ہے۔ بقال کے پاس رہنے والا طوطی دنیاوی تعلقات اور عادات میں جکڑی ہوئی روح کی علامت ہے۔ جب طوطی کو اپنی اصلیت کا ادراک ہوتا ہے تو وہ دنیاوی قید سے آزاد ہو کر اپنے اصل کی طرف پرواز کرتا ہے۔[12]

یہ تمثیل نفسِ لوامہ کے اس مرحلے کی عکاسی کرتی ہے جہاں انسان اپنی غلطیوں پر ملامت کرتا ہے اور اپنی اصلاح کا عزم کرتا ہے۔ مولانا رومؒ کے نزدیک یہ ملامت ہی دراصل رحمت ہے کیونکہ یہ انسان کو نفسِ امارہ کی غلامی سے نکل کر نفسِ مطمئنہ کی طرف لے جاتی ہے۔

## نفسِ مطمئنہ اور اخلاقی کمال

اخلاقی کمال کی اعلیٰ ترین منزل نفسِ مطمئنہ ہے جہاں نفس اپنی تمام خواہشات پر قابو پا کر رب کی رضا میں سکون حاصل کر لیتا ہے۔ مثنوی دفترِ اوّل میں موسیٰ و چوپان کی تمثیل اس حقیقت کو خوبصورتی سے بیان کرتی ہے۔ چوپان اپنی سادہ اور بے تکلف زبان میں رب سے محبت کا اظہار کرتا ہے، اور حضرت موسیٰؑ اسے اس کے انداز پر ملامت کرتے ہیں، لیکن رب کی طرف سے وحی آتی ہے کہ اس چوپان کی سادہ محبت مقبول ہے۔[13]

اس تمثیل سے مولانا رومؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ اخلاقی کمال کا دار و مدار ظاہری رسومات پر نہیں بلکہ دل کی پاکیزگی اور اخلاص پر ہے۔ نفسِ مطمئنہ وہ مقام ہے جہاں انسان کی عبادت اور اعمال میں بے ساختگی اور اخلاص پیدا ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر انسان کی زبان، دل اور اعمال سب ایک ہو جاتے ہیں اور وہ اخلاقی کمال کی اعلیٰ ترین منزل پر فائز ہو جاتا ہے۔[14]

## نفس کی تربیت کے ذرائع: مجاہدہ، ریاضت اور ذکر

---

[11] رومی، مثنوی معنوی، دفتر اوّل، ص ۸۲۔

[12] ایضا، ص ۹۵۔

[13] رومی، مثنوی معنوی، دفتر اوّل، ص ۸۲۔

[14] جلال الدین محمد بلخی رومی، فیہ مافیہ، تصحیح و حواشی بدیع الزمان فروزانفر (تہران: انتشارات دانشگاہ تہران، ۱۹۵۱)، ص ۷۸۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

مولانا رومؒ نے نفس کی تربیت کے لیے مجاہدہ، ریاضت اور ذکر کو بنیادی ذرائع قرار دیا ہے۔ مجاہدہ سے مراد نفس کی خواہشات کے خلاف مسلسل جدوجہد ہے۔ مثنوی میں مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ نفس کی خواہشات کو پورا کرنا اسے مزید بے لگام بناتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس کی مخالفت کرے اور اسے اپنی مرضی کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کرے۔[15]

ریاضت سے مراد نفس کو مشقت اور عبادت کے ذریعے ڈھالنا ہے۔ مولانا رومؒ نے روزے، قیام اللیل اور خلوت کو نفس کی تربیت کے مؤثر ذرائع قرار دیا ہے۔ ذکر الٰہی کو انہوں نے سب سے بڑا ذریعہ قرار دیا ہے کیونکہ ذکر سے دل کو صفا ملتی ہے اور نفس کی نجاست دور ہوتی ہے۔[16]

مولانا رومؒ کے نزدیک ذکر صرف زبان کا عمل نہیں بلکہ دل کا عمل ہے جو انسان کو رب سے جوڑتا ہے اور اسے اخلاقی کمال کی طرف لے جاتا ہے۔

## عقل و عشق کا تقابل اور نفس کی اصلاح

مثنوی دفترِ اوّل میں عقل اور عشق کا تقابل ایک اہم موضوع ہے۔ مولانا رومؒ نے عقلِ جزوی (محدود عقل) کو نفس کی خدمت میں لگا ہوا قرار دیا ہے جو دنیاوی مفادات کے لیے کام کرتی ہے، جبکہ عشق کو وہ قوت قرار دیا ہے جو نفس کو پاک کر کے انسان کو کمال تک پہنچاتی ہے۔[17]

انہوں نے فرمایا کہ عقل انسان کو حدود میں رکھتی ہے مگر عشق اسے حدود سے باہر لے جاتا ہے اور رب تک پہنچاتا ہے۔

یہ تقابل اخلاقی کمال کے حوالے سے انتہائی اہم ہے کیونکہ مولانا رومؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ محض عقلی علم نفس کی اصلاح کے لیے کافی نہیں بلکہ دل کی بیداری اور عشق کی حرارت ضروری ہے۔ عشق انسان کو نفس کی غلامی سے آزاد کرتا ہے اور اسے اخلاقی کمال کی اعلیٰ منزلوں تک لے جاتا ہے۔[18]

## مرشد کامل کی اہمیت

مولانا رومؒ نے نفس کی تربیت میں مرشد کامل کی اہمیت پر خصوصی زور دیا ہے۔ ان کے نزدیک نفس کی اصلاح اتنی آسان نہیں کہ انسان تنہا اسے انجام دے سکے، بلکہ اس کے لیے ایک ایسے مرشد کی ضرورت ہے جو خود اس راستے سے گزر چکا ہو اور نفس کی چالوں سے واقف ہو۔[19]

---

[15] رومی، مثنوی معنوی، دفتر اوّل، ص ۱۲۵۔

[16] ایضا، ص ۱۳۰۔

[17] شمس الدین محمد تبریزی، مقالات شمس تبریزی، تصحیح محمد علی موحد، ج ۱ (تہران: انتشارات خوارزمی، ۱۹۹۰)، ص ۲۱۰۔

[18] رومی، مثنوی معنوی، دفتر اوّل، ص ۱۴۰۔

[19] مثنوی مولانا روم، اردو ترجمہ قاضی سجاد حسین، ج ۱، ص ۱۲۰۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

مثنوی میں مرشد کو طبیب سے تشبیہ دی گئی ہے جو بیماری کی تشخیص کر کے صحیح علاج کرتا ہے۔اسی طرح مرشد کامل سالک کے نفس کی بیماریوں کو پہچانتا ہے اور اسے صحیح راستہ دکھاتا ہے۔

مولانا رومؒ نے مرشد کی اطاعت کو نفس پر قابو پانے کا مؤثر ذریعہ قرار دیا ہے کیونکہ مرشد کی نگرانی میں سالک اپنی خواہشات پر قابو پانا سیکھتا ہے اور اخلاقی کمال کی منزل کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔

## نفس کی اصلاح کے سماجی اثرات

نفس کی اصلاح کے سماجی اثرات مثنوی کی تعلیمات کا ایک اہم پہلو ہیں۔ مولانا رومؒ کے نزدیک نفس کی تطہیر محض ایک انفرادی عمل نہیں بلکہ اس کے معاشرتی اثرات بھی ہیں۔جب انسان اپنے نفس پر قابو پالیتا ہے تو اس میں صبر، تواضع، عدل، صدق اور رحم جیسی صفات پیدا ہو جاتی ہیں جو معاشرے کی بہتری کا ذریعہ بنتی ہیں۔[20]

مثنوی میں شیر و خرگوش کی تمثیل اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ جب انسان اپنے نفس پر قابو پا کر عقل اور تدبیر سے کام لیتا ہے تو وہ بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کر سکتا ہے۔اس تمثیل میں خرگوش اپنی عقل سے شیر کو قابو کرتا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ نفس پر قابو پانے والا انسان اپنے معاشرے میں انصاف اور بھلائی کا علمبردار بن سکتا ہے۔[21]

## معاشرتی اصلاح: اخلاقی کمال کا عملی اطلاق

مولانا رومؒ نے اخلاقی کمال کو معاشرتی اصلاح سے جوڑا ہے۔ان کے نزدیک ایک ایسا معاشرہ جس کے افراد نے اپنے نفس کی اصلاح نہ کی ہو وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ مثنوی میں مولانا رومؒ نے معاشرے کے مختلف طبقات حکمران، عالم، تاجر اور عام آدمی سب کو مخاطب کر کے انہیں نفس کی اصلاح کی تلقین کی ہے۔[22]

اخلاقی کمال کا عملی اطلاق یہ ہے کہ انسان اپنے معاشرے میں انصاف، دیانت، خدمتِ خلق اور ہمدردی کا مظاہرہ کرے۔ مولانا رومؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کو پاک کر لیتا ہے وہ اپنے معاشرے کے لیے باعثِ برکت بن جاتا ہے کیونکہ اس کی ذات سے نیکی اور بھلائی پھوٹتی ہے۔اس طرح نفس کی اصلاح انفرادی کمال سے آگے بڑھ کر اجتماعی اصلاح کا ذریعہ بن جاتی ہے۔[23]

---

[20] مرآۃ المثنوی، مولانا عبدالکریم، ج ۱، ص ۱۲۵

[21] رومی، مثنوی معنوی، دفتر اوّل، حکایت شیر و نخچیران

[22] Nicholson, Sharḥ-i Maṣnawī, vol. 1, 210.

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: 3006-3329
ISSN E: 3006-3337

## حاصل کلام

مثنوی دفترِ اوّل میں نفس کو اخلاقی کمال کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیا گیا ہے۔

مولانا رومؒ نے نفس کو سانپ، اونٹ، گدھے اور کتے جیسے استعاروں کے ذریعے پیش کیا ہے۔

نفس کی تین اقسام: امارہ، لوامہ اور مطمئنہ اسلامی روایت کے مطابق بیان کی گئی ہیں۔

مجاہدہ، ریاضت اور ذکر کو نفس کی تربیت کے بنیادی ذرائع قرار دیا گیا ہے۔

مرشد کامل کی اہمیت نفس کی اصلاح میں ناگزیر ہے۔

نفس کی اصلاح کے سماجی اثرات معاشرتی ہم آہنگی اور بہبود کا ذریعہ ہیں۔

اخلاقی کمال کا عملی اطلاق انصاف، دیانت اور خدمتِ خلق کی صورت میں معاشرے میں ظاہر ہوتا ہے۔

نفس کی اصلاح کو صرف عبادت و ریاضت تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں مسلسل عملی جدوجہد سے مشروط قرار دیا گیا ہے۔

مثنوی کے مطابق نفس پر قابو پانا ہی انسان کی حقیقی آزادی اور روحانی سرفرازی ہے جو اسے دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے۔

علم اور عمل کا امتزاج ہی نفس کی تربیت میں کامیابی کی ضمانت ہے محض نظری علم نفس کی اصلاح کے لیے ناکافی ہے۔

## سفارشات

مثنوی دفترِ اوّل کی تمثیلوں کو نصابِ تعلیم میں شامل کیا جائے تاکہ نئی نسل اخلاقی تربیت حاصل کر سکے۔

نفس کی اصلاح کے موضوع پر مزید تحقیقی مقالات لکھے جائیں۔

مولانا رومؒ کی تعلیمات کو معاشرتی اصلاح کے پروگراموں میں استعمال کیا جائے۔

مثنوی کے استعاروں کو جدید نفسیات کے تناظر میں سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

مدارس اور جامعات میں مثنوی کی تعلیم کو فروغ دیا جائے۔

نفس کی تربیت کے لیے عملی پروگرام ترتیب دیے جائیں جو نوجوانوں کی اخلاقی بہتری میں معاون ہوں۔

مثنوی کے اخلاقی اسباق کو نصاب کے دیگر مضامین (ادب، اسلامیات، نفسیات) کے ساتھ مربوط کیا جائے۔

---

[23] علی بن عثمان الجلابی ہجویری، کشف المحجوب، ترجمہ واحد بخش سیال چشتی صابری (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۱۹۹۹)، ص ۳۲۰۔

اساتذہ اور مدرّسین کے لیے مثنوی کی تدریس کے خصوصی تربیتی کورسز کا اہتمام کیا جائے۔

مثنوی کی تمثیلوں پر مشتمل بچوں کے لیے آسان اردو کہانیوں اور نصابی مواد کی تیاری کی جائے۔

مثنوی کے اخلاقی تصورات کو جدید ذرائع ابلاغ—سوشل میڈیا، ایپس اور اینی میشن—کے ذریعے عام کیا جائے۔

عصرِ حاضر کے نفسیاتی مسائل (اضطراب، ڈپریشن، تنہائی) کے علاج میں مثنوی کی تعلیمات کے استعمال پر باقاعدہ تحقیق کی جائے۔

مثنوی کی تعلیم کو بین الاقوامی سطح پر فروغ دینے کے لیے اس کے تراجم اور شروحات کو جدید زبانوں میں شائع کیا جائے۔

## مصادر و مراجع

القرآن الکریم۔

ابن ہوازن، ابوالقاسم عبدالکریم القشیری۔ الرسالۃ القشیریۃ۔ ترجمہ مفتی محمد صدیق ہزاروی۔ لاہور: مکتبہ اعلیٰ حضرت، ۲۰۰۹ء۔

الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد۔ احیاء علوم الدین۔ ترجمہ مولانا ندیم الواجدی۔ جلد ۳۔ کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۱۰ء۔

الجلابی ہجویری، علی بن عثمان۔ کشف المحجوب۔ ترجمہ واحد بخش سیال چشتی صابری۔ لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۱۹۹۹ء۔

حسین، قاضی تلمذ۔ مرآۃ المثنوی۔ جلد ۱۔ حیدرآباد دکن: اعظم اسٹیم پریس، ۱۹۳۳ء۔

رومی، جلال الدین محمد بلخی۔ مثنوی معنوی۔ ترجمہ قاضی سجاد حسین۔ دفتر اوّل۔ لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۶ء۔

رومی، جلال الدین محمد بلخی۔ فیہ ما فیہ۔ تصحیح و حواشی بدیع الزمان فروزانفر۔ تہران: انتشارات دانشگاہ تہران، ۱۹۵۱ء۔

رومی، جلال الدین محمد بلخی۔ مثنوی معنوی۔ دفتر اوّل۔

تبریزی، شمس الدین محمد۔ مقالات شمس تبریزی۔ تصحیح محمد علی موحد۔ جلد ۱۔ تہران: انتشارات خوارزمی، ۱۹۹۰ء۔

Nicholson, Reynold A., ed. and trans. The Mathnawí of Jalálu'ddín Rúmí: Edited from the Oldest Manuscripts Available, with Critical Notes, Translation and Commentary. Vol. 7. London: Luzac & Co. for the E. J. W. Gibb Memorial Trust, 1937.